R.No. 2186/57

REGD. N.L. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

جلد ۲۷، شمارہ ۴۷	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۱۵ ر دسمبر ۱۹۶۸ء

اداریہ

انسانی حقوق کا احترام

دس دسمبر ۱۹۴۸ء کو انجمن اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کے متعلق ایک چارٹر منظور کیا۔ گویا اسے منظور ہوئے بیس سال ہو چکے ہیں۔ اس چارٹر میں انسان کے بنیادی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے یہ واضح طور پر کہا گیا تھا کہ تعلیم حاصل کرنے کا حق سبھی کو ہے اور اس کے لئے سبھی کو برابر کے مواقع ملنے چاہئیں اسی طرح یہ بھی کہا گیا تھا کہ ایک سے کام کے لئے ایک سی تنخواہ ہونی چاہئے خواتین کے لئے اپنی مرضی سے اپنا رفیق حیات طے کرنے کا اختیار بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ ابتدائی منزل پر مفت اور جبری تعلیم تسلی بخش معیار زندگی، سائنسی ترقیوں کے نتائج میں شرکت، معلومات اور اطلاعات بغیر جبر و احتساب کے فراہم کرنے اور حاصل کرنے کا حق، ہر قسم کے امتیاز کو ختم کرنے اور جنس نسل، رنگ، زبان مذہب، سماجی بنیاد یا قومی بنیاد پر کسی کے ساتھ برتاؤ میں فرق نہ کرنے کی ضرورت، تہذیبی سرمائے سے سب کے مستفید ہونے کی افادیت، بالغوں کو جو اب تک کسی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ گئے ہیں، تعلیم دینے کے فوائد ان سب باتوں کے متعلق کھلے الفاظ میں تمام قوموں کو توجہ دلائی گئی تھی۔ سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ اگر کسی ایک جگہ انسانی حقوق پر حملہ ہوتا ہے تو سب کے انسانی حقوق کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب قریب قریب ساری ریاستیں اور حکومتیں اس چارٹر کو منظور کر چکی ہیں تو اب تک اس کی دفعات پر ہر ملک میں پوری طرح عمل کیوں نہیں کیا گیا۔ ہمارے دستور میں اس چارٹر کی روح موجود ہے اور ہم برابر یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ہم ان ساری دفعات پر عمل کریں گے۔ مگر ہمارے عمل کی رفتار بہت سست ہے ابھی تک ہمارے یہاں، مذہب، زبان، سماجی بنیاد یا جنس کی وجہ سے امتیاز ختم نہیں ہوا ہے۔ ابھی تک اپنے تہذیبی سرمائے کو ترقی دینے میں اقلیتوں کو دشواریاں محسوس ہوتی ہیں ابھی تک بعض زبانوں کی ترقی میں رکاوٹیں ہیں، ابھی تک ہمارے یہاں مفت اور جبری ابتدائی تعلیم، ان تمام بچوں کو نہیں دی جاتی جن کا یہ بنیادی حق ہے ابھی تک بالغوں کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہمارا یہ فرض ہے کہ اپنے ملک میں ہر قسم کا امتیاز ختم کریں، ہر زبان کو ترقی کا موقع دیں، نہ کسی کو خوف ہو نہ محتاجی اور ہر شخص، سماجی زندگی میں اپنا حق حاصل کر سکے۔ خیر گھر سے شروع ہونا چاہئے۔ جب ہم اپنے ملک میں انسانی حقوق کا احترام پوری طرح کر سکیں گے اس وقت ہمیں حق ہوگا کہ دوسرے ملکوں سے بھی کچھ کہہ سکیں۔

بنیادی انسانی حقوق کا احترام نہ صرف ہمارے دستور کے مطابق ہے یہ انسانیت اور تہذیب کا بھی تقاضہ ہے۔ اس معاملے میں تساہل بھی خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ یہ احترام کرنا حکومتوں کا ہی کام نہیں، افراد کو بھی اپنے طرز عمل میں اسے اپنانا چاہئے۔ آج دنیا کی بیشتر مشکلات اس وجہ سے ہیں کہ لوگ اپنے مفاد کے نشے میں انسانیت کا احترام بھول گئے ہیں یہ سبق یاد رہے تو ہم دنیا کو جنت بنا سکتے ہیں اندیشہ ہے کہ مفاد پرستی، تنگ نظری، تعصب، تشدد، ہلاکت کے نئے نئے طریقے اسے جہنم نہ بنا دیں۔

اقوام متحدہ میں غالب صدی تقریبات منانے کا فیصلہ

لکھنؤ۔ مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات جناب کے کے شاہ نے یہاں کہا کہ اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب کی عظمت اقوام متحدہ

کے عالمی ادارے نے بھی تسلیم کر لی ہے۔ جشن غالب کا افتتاح کرتے ہوئے، جناب کے کے شاہ نے کہا کہ اقوام متحدہ نے بھی غالب صدی تقریب منانے کا فیصلہ کیا ہے اس تقریب میں اقوام متحدہ کے سارے ملک حصہ لیں گے۔ جشن غالب کا اہتمام ادارہ فروغ اردو (ہند) نے بیان کیا تھا۔ (سیاست)

غالب کے اشعار پر مبنی کلینڈر زیر اشاعت

لکھنؤ:۔ دلی کی ایک کلینڈر ساز کمپنی نے اس سال ایک غالب کلینڈر تیار کیا ہے جو مرزا اسد اللہ خاں غالب کے ۶ اشعار کی بنیاد پر بنائی جانے والی تصویروں پر مشتمل ہے۔ غالب کے ان ۶ اشعار کی تصاویر بمبئی کے ایک ممتاز مصور جناب رام کمار نے بنائی ہیں جو اگرچہ عبدالرحمان چغتائی کی بنائی ہوئی تصویروں کے اسلوب سے مختلف ہیں لیکن ان پر مثل اثرات ظاہر ہیں۔ (قومی آواز)

الٰہ آباد میں مرزا غالب مارگ

الٰہ آباد:۔ مرزا غالب کی صد سالہ سالگرہ کے سلسلے میں الٰہ آباد میں ایک سڑک کا نام مرزا غالب مارگ رکھا گیا ہے۔ الٰہ آباد میں ایک کل ہند مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا جا رہا ہے۔ (ناظم)

عادل منصوری کی گجراتی کتاب پر انعام

احمد آباد۔ عادل منصوری کے گجراتی شعری مجموعہ "پگ رو" کو گجراتی ساہتیہ پریشد نے ۶۸-۶۷-۱۹۶۶ء کی بہترین شعری تخلیق کے ذیل میں -/۵۰۰ روپے کا "شری کاکا کالیلکر انعام" دیا ہے۔ (نامہ نگار)

سہ ماہی مجلہ صحیفہ کا غالب نمبر

مجلس ترقی ادب لاہور کا تحقیقی سہ ماہی مجلہ صحیفہ، جو اب ڈاکٹر وحید قریشی اور کلب علی خاں فائق کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے عنقریب غالب نمبر پیش کرے گا اس نمبر میں پاک و ہند کے محقق اور نقاد اپنے گراں قدر مقالے پیش کر رہے ہیں۔ مزید تفصیلات مجلس ترقی ادب ۲ ۔ کلب روڈ لاہور سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

مہر چند کوثر کا شعری مجموعہ زیر اشاعت

چنڈی گڑھ۔ اردو دوستوں کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ پنجاب کے مشہور غزل گو شاعر جناب مہر چند کوثر کا شعری مجموعہ "مشبو جی" کے نام سے بہت جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔ اسے انجمن ترقی اردو (ہند) برانچ اور پنجاب اردو اکیڈمی چنڈی گڑھ کے زیر اہتمام شایع کیا جا رہا ہے۔

(نامہ نگار)

بچوں میں قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے کتابیں چھاپی جائیں گی

لکھنؤ:۔ نیشنل بک ٹرسٹ کی طرف سے بچوں کے لئے ایسی کتابیں چھاپی جائیں گی، جن کا موضوع قومی یکجہتی ہوگا۔ ٹرسٹ کے سکریٹری جناب کرتار سنگھ دگل نے نمائندہ نگاروں سے اس سلسلے میں بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ اس منصوبہ کا نام "نہرو لائبریری کے لئے بچوں کی کتابیں" ہے۔ ابتدا میں اس مقصد سے ایک سو کتابیں چھاپی جائیں گی۔ اس کے بعد ان کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جائے گی۔ یہ کتابیں ساری ہندوستانی زبانوں میں چھاپی جائیں گی۔ اور ان کی قیمت یکساں ہوگی ابتدا میں ہر کتاب کی ایک لاکھ جلدیں چھاپی جائیں گی۔ (سیاست)

علی سردار جعفری کو نہرو فیلوشپ

نئی دہلی:۔ جواہر لال نہرو یادگار فنڈ کی طرف سے کلکتہ یونی ورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے پروفیسر پی لال اور ممتاز اردو شاعر علی سردار جعفری کو فیلوشپ دیئے جانے کا اعلان کیا گیا ہے۔

پروفیسر لال کو اپنشد کو انگریزی میں منتقل کرنے سے متعلق ان کے پروجیکٹ کے لئے اور علی سردار جعفری کو "سرمایۂ سخن" کے سلسلے میں فیلوشپ دی گئی ہے۔ اس سے قبل نہرو یادگار فنڈ کی طرف سے پنڈت نہرو کی جینتی کے موقع پر گذشتہ ماہ کچھ فیلوشپ دیئے جانے کا اعلان کیا جا چکا ہے۔

(قومی آواز)

مرزا عبدالقادر بیدل پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری

پونہ:۔ واڈیا کالج پونہ کے شعبۂ فارسی کے پروفیسر امانت صاحب کو ان کے مقالے "مرزا عبدالقادر بیدل۔ ان کی حیات اور شاعری نسخۂ عرفان کی روشنی میں" پر پونہ یونیورسٹی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی ہے۔ (منظور الحسن منظور)

شورش کشمیری کی رہائی کی خبر غلط ہے

شاہدہ شورش لاہور سے اطلاع دیتی ہیں کہ ہماری زبان کی پندرہ نومبر کی اشاعت میں جناب شورش کشمیری کی رہائی کی جو خبر شائع ہوئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ وہ بدستور جیل میں ہیں۔ سپریم کورٹ پاکستان نے صرف اس نکتے کا فیصلہ کیا ہے کہ ہائی کورٹ ان کا مقدمہ سن سکتا ہے۔

("ہماری زبان" میں شورش کشمیری کی رہائی کی خبر اخبار "روشنی" کے حوالے سے چھپی تھی۔ ادارہ)

تمکین قریشی

جگر مرادآبادی (حیات اور شاعری)

(ایک سرسری جائزہ)

ڈاکٹر محمد اسلام کا یہ طویل دو تعلیٰ تحقیقی مقالہ جس پر ان کو لکھنؤ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری مل چکی ہے بڑے کتابی سائز میں ۴۵۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے کاغذ سفید معمولی، کتابت و طباعت کہیں ناقص اور کہیں کہیں بہت ناقص ہے مگر ان ظاہری خرابیوں کے باوجود کتاب کی بہت سی معنوی خوبیاں بڑی حد تک نمایاں ہیں۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں جگر مرادآبادی کے عہد اور ادبی پس منظر کو خاص تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے اور تیسرے ابواب میں جگر کی زندگی، شخصیت اور کردار کے تمام خصوصی پہلوؤں پر بہت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور بقیہ صفحات میں جگر کی شاعری کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر محمد اسلام نے جہاں تک "ریسرچ" کا تعلق ہے، نہایت تن دہی اور جانفشانی سے کام کیا ہے وہ جگر مرحوم کے مخصوص احباب و معاصرین سے خود جاکر ملے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہت صعوبات سفر بھی برداشت کی ہیں اور زر کثیر صرف کیا ہے۔ وہ گونڈہ مرادآباد، آگرہ وغیرہ کے علاوہ پاکستان بھی گئے ہیں جگہ جگہ جگر صاحب کے خاص خاص احباب و معاصرین سے مل کر انھوں نے ضروری معلومات حاصل کیں اور ایک بہت بڑا ذخیرہ معلومات فراہم کرلیا اور اس سے استفادہ کیا چنانچہ وہ زیر تنقید مقالہ لکھنے سے پہلے کئی اور کتابیں مثلاً جگر، مخلصین اور معاصرین کی نظر میں، نگارشات جگر، خطوط جگر وغیرہ بھی شائع کرچکے ہیں۔

لیکن ریسرچ کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں کہ تمام رطب و یابس اور مستند و غیر مستند روایات کو فراہم کرکے یکجا کردیا جائے۔

جگر صاحب اپنے دور کے بہترین غزل گو شاعر تھے، ان کی شخصیت بھی بہت دلکش تھی اور ان کو برصغیر ہند و پاکستان میں "قابل رشک قبول عام" حاصل تھا۔ مگر جہاں ان کے معاصرین میں احباب مخلصین کا دائرہ بہت وسیع تھا وہاں حاسدوں اور منافقوں کی تعداد بھی کم نہ تھی اس لئے ایسی شخصیت کے حالات قلم بند کرنے میں بہت احتیاط برتنی چاہئے تھی۔ اور ہر قسم کی روایات قبول کرنے سے پہلے "راوی" سے جگر مرحوم کے باہمی تعلقات کی تحقیق لازمی تھی۔ اخباروں اور رسالوں کے اقتباسات نقل کرنے میں بھی یہی اصول پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔ خود میرے علم میں جگر صاحب کے چند ایسے نام نہاد مخلصین ہیں جن کے متعلق ان کے خیالات اچھے نہ تھے مگر محمد اسلام صاحب نے ان میں سے بعض حضرات کی روایتوں کو "آیت و حدیث" سمجھ کر بلا تحقیق و تصدیق اپنے مقالے میں لکھ دیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کتاب ایک "کھتونی" سی ہوگئی ہے۔ ان کو روایت سے قطع نظر، درایت و تنقیح تحقیق و تصدیق کے معیار کو بھی ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔ اس لحاظ سے میری رائے میں مصنف کے اس مقالہ کو وہ درجۂ استناد حاصل نہیں جس کا دعویٰ انھوں نے اس کتاب کے شروع میں صفحہ پر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"راقم الحروف نے اپنے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی کہ وہ غیر جانبدار رہے اور جگر کی حیات اور شاعری کے سلسلہ میں جو بات حقیقت اور صداقت پر مبنی ہو اس کی تصدیق کرے، ناقص یا غلط باتوں کی تردید کرے۔۔۔۔۔"

مگر وہ اپنے اس معیار پر بہت کم قائم رہ سکے ہیں۔ جگر صاحب کے اسلاف و سلسلۂ نسب وغیرہ کے بارے میں البتہ ان کی تحقیق درجۂ استناد رکھتی ہے۔ مگر اس میں بھی ایک جگہ ابہام پایا جاتا ہے انھوں نے صفحہ پر فٹ نوٹ میں لکھا ہے۔

"ان کے دادا مولوی محمد سمیع فرخ سیر بادشاہ کو حدیث کی تعلیم دیتے تھے اور جب وہ مرادآباد چلے آئے تو یہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے بعد مولوی محمد قاسم تک درس و تدریس کا سلسلہ قائم رہا۔۔۔"

مگر اس نوٹ سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ مولوی محمد قاسم کون بزرگ تھے اور جگر مرحوم سے ان کا کیا رشتہ تھا۔ شجرۂ نسب میں مولوی محمد سمیع سے پہلے مولوی محمد قاسم کا نام ملنا چاہئے مگر جو شجرۂ نسب صفحہ پر نقل کیا گیا ہے اس میں یہ نام نہیں ملتا۔ جگر صاحب کے دادا کا نام نور محمد تھا اور ان کے دادا شیخ محمد سمیع تھے مگر کہیں محمد قاسم کا نام نہیں ہے۔ محمد اسلام صاحب کو اس کے متعلق ضروری تحقیق و تصحیح کرنی چاہئے تھی یا پھر خود انھوں نے یہ نام

سلام مچھلی شہری

ایک خیال (نگور میں)

— سرِ نگاہِ چشم سے صدا آرہی ہے
کوئی ہے، جو خاموش تربت بھی دیکھے
کوئی ہے، جو پارینہ عظمت بھی دیکھے؟

سرِ نگاہِ چشم سے صدا آرہی ہے
گئی وقت کی، کون خوشبو بنے گا
نئے دور کا کون ٹیپو بنے گا؟
— جواب اس کا دیتا ہے ہر نوجواں کو
سجاتا ہے "اس مشترک گلستاں" کو

غلط ثابت ہوجاتا ہے۔

روایات کو بلا تحقیق و تصدیق نقل کرنے کے سلسلہ میں ایک واقعہ مثالاً لکھتا ہوں جو اس کتاب کے صفحہ ۱۰۴ پر درج ہے۔

"علی گڑھ میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں جگرؔ بھی شریک تھے۔ مشاعرہ میں کسی لڑکے نے جگرؔ سے متعلق ایک ہتک آمیز نظم پڑھی۔ جگرؔ خاموشی سے اس کی نظم سنتے رہے۔ اس کے ختم ہونے پر انھوں نے اس کے جواب میں فی البدیہہ یہ شعر کہہ کر پڑھ دیا۔

دیکھوں او عفریت منہ موڑنا گھسگو ہے یا گنڈ ہیوڑنا
ہاں دم نہ اس کی چھوڑنا اڑ جائے گا پروا ہے

مگر کیا عقلِ سلیم اس کو تسلیم کر سکتی ہے کہ جگرؔ جیسے ہر دلعزیز اور نغز گو شاعر کے خلاف کوئی لڑکا ہتک آمیز نظم برسرِ مشاعرہ پڑھتا رہے اور حاضرینِ مشاعرہ چپ چاپ سنتے رہیں اور پھر ایسا رکیک و مبتذل شعر جگرؔ جیسا پاکیزہ ذوق شاعر وہیں فی البدیہہ کہہ کر بھرا مشاعرہ میں پڑھ کر سنائے۔ ایسے شعر کو جگرؔ سے منسوب کرنا ہی ان کی بہت بڑی توہین ہے جس کا پہلا مصرع خصوصاً لفظ "دیکھوں" نہ صرف بچکانہ بلکہ بے محل اور بے جوڑ ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد اسلام صاحب نے اس روایت کو قبول کرنے سے پہلے اس کی تصدیق و تحقیق کیوں ضروری نہیں سمجھی اور صرف ایک راوی کی روایت ہی کو کیوں قابلِ اعتماد سمجھا آخر اس مشاعرہ میں اور حضرات بھی تو شریک ہوئے ہوں گے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ناقابلِ اعتبار روایت کو کیوں اس قدر اہمیت دی گئی۔ اس قسم کی بے سروپا روایات کی کچھ اور مثالیں بھی اس کتاب میں پائی جاتی ہیں۔

دوسری کوتاہی ڈاکٹر محمد اسلام سے یہ ہوئی کہ انھوں نے تحقیق حالات میں محض اپنی یادداشت یا حافظہ پر ہی اعتماد کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راوی کے اصل الفاظ و مطالب ہی بدل گئے اصولاً ان کو ہر راوی کی روایات کو قلمبند کرنے کے بعد پھر ان کی تصحیح و تصدیق کرانی چاہیے تھی۔ مگر انھوں نے کسی وجہ سے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ چنانچہ جب ان کی کتاب "جگرؔ مخلصین و معاصرین کی نظر میں" شائع ہوئی تو پاکستان اور کئی اور مقامات سے میرے چند مخلصین نے مجھے شکایتہً لکھا کہ اسلام صاحب نے ان کے بیان کردہ واقعات کو بہت توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور تصرف بیجا سے کام لیا ہے۔

اس سلسلے میں گھر بیٹھے ہوئے محترمی حضرت بیکش اکبر آبادی کا ایک مضمون "شاعر" بمبئی میں شائع ہوا تھا جس کا ضروری اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"...... ایسے اور بھی واقعات ہیں جگرؔ صاحب کا ایک واقعہ جو میرے قلم سے "تحریک" دہلی کے جگرؔ نمبر میں شائع ہو چکا ہے وہ بھی اس مجموعے میں بہت ہی غلط اور قبیح الفاظ کے ساتھ مجھ سے منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ جگرؔ صاحب کسی طوائف کے کوٹھے پر جا رہے تھے۔ جگرؔ صاحب کو میں نے کبھی کسی طوائف کے یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح فانیؔ اور یاسؔ کا واقعہ۔ تاج محل کا واقعہ، شبیہ کالج کا واقعہ کس کس کی تردید و تصحیح کی جائے......"

خود میرے حوالے سے بھی ڈاکٹر محمد اسلام نے اپنے اس مقالے میں کئی غلط بیانیاں کی ہیں۔ ان کو ذرا تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں۔

(۱) جگرؔ صاحب سے میرے تعلقات کی ابتدا اس زمانے میں ہوئی تھی جب وہ شراب سے تائب ہو چکے تھے میں اس کا ذکر "مکاتیب جگرؔ" کے دیباچہ میں بھی صفحہ ۱۱ پر تصریحاً کر چکا ہوں اور میرے اور جگرؔ صاحب کے احباب و مخلصین بھی اس بات سے خوب واقف ہیں۔ مصنف کی تحقیق کے مطابق جگرؔ صاحب نے ۱۹۴۹ء میں شراب نوشی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دی تھی۔ بہر حال اس کے بعد ہی میرے تعلقات جگرؔ صاحب سے ہوئے اور مسلسل ۲۰-۲۲ سال ان کی وفات تک قائم رہے اس سلسلے میں پوری دیانت و صداقت کے ساتھ لکھتا ہوں کہ میری موجودگی میں انھوں نے کبھی شراب نہیں پی اور نہ میں نے ان کو کبھی شراب کے نشہ میں مست و سرشار دیکھا۔

اب ذرا ڈاکٹر محمد اسلام کے "تحقیقی مقالہ" کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"...... ایک ملاقات میں تسکین قریشی صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ جگرؔ صاحب نے شراب ترک کی اور نماز بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ شروع کی جہاں جاتے جانماز ساتھ ہوتی تھی مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ کراچی یا کسی اور مقام پر ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے گئے تو واپسی میں تسکین صاحب نے ان کو دیکھا کہ جانماز وغیرہ کچھ نہیں ہے اور نماز پڑھنے کے بجائے شراب کے نشے میں جھوم رہے ہیں۔" ص۹۵

دراصل یہ واقعہ ۱۹۴۹ء کا ہے جب پاکستان قائم ہونے کے بعد جگرؔ صاحب پہلی بار کراچی گئے تھے وہاں جانے سے کچھ عرصہ پہلے ان پر دینداری کا کچھ اتنا غلبہ تھا کہ وہ "سگریٹ" تک ترک کر چکے تھے مگر جب وہ چند ماہ بعد کراچی سے واپس آئے تو ان کی وہ دینداری ختم ہو چکی تھی اور وہ اسی تسلسل و تواتر کے ساتھ سگریٹ پینے لگے تھے جس کے وہ پہلے عادی تھے۔

اب ڈاکٹر محمد اسلام کا یہ "قلمی کارنامہ" ملاحظہ فرمائیے کہ انھوں نے سگریٹ کو شراب بنا کر مجھے جگرؔ صاحب کی شراب نوشی کا عینی شاہد بنا دیا یہ محض غلط بیانی ہی نہیں بلکہ مجھ پر اور خود جگرؔ صاحب پر سخت الوام اور سراسر بہتان و اختراع ہے۔ (باقی آئندہ)

خلیل الرحمن اعظمی

رفتار

"یک طرفہ شعر کہنا شاعر کی محدود استعداد کی اور یک طرفہ تفسیر پیش کرنا تنقید نگار کی تہی مائگی اور کوتاہ بینی کی دلیل ہے۔"

بظاہر سیدھا سادا مگر بباطن یہ معنی خیز فقرہ اسلوب احمد انصاری کا ہے جن کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "ادب اور تنقید" کے نام سے حال ہی میں سنگم پبلشرز الہ آباد نے شائع کیا ہے۔ اسلوب صاحب اردو ادب اور تنقید کی دنیا میں نو وارد نہیں۔ ۱۹۴۱ء میں جب وہ انٹر میڈیٹ کے طالب علم تھے ان کا ایک طویل مقالہ اقبال کا ذہنی ارتقاء" رسالہ جامعہ میں شائع ہوا تھا اور سنجیدہ علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد سے وقتاً فوقتاً ادبی مسائل پر ان کے تنقیدی مضامین موقر جریدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اسلوب صاحب کے ان مضامین کو خواص کے حلقے میں ہمیشہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا مگر اردو شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والے "عوامی" اور "جمہوری" علاقوں میں ان کی شہرت زیادہ نہیں پہنچی کم رہی اس کا سبب غالباً ان کی علمی متانت و سنجیدگی ہے۔ ان کی دیانت داری اور وہ متوازن تنقیدی روہ یہ ہے جو گزشتہ پچیس تیس برسوں میں ہمارے یہاں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور رہا ہے۔ اسلوب صاحب انگریزی ادبیات کے معلم ہیں اور آج کل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی میں پروفیسر اور صدر شعبہ ہیں۔ مغربی ادب سے متعلق ان کی آگاہی اور بصیرت کا اندازہ "ولیم بلیک" پر ان کی انگریزی کتاب سے کیا جا سکتا ہے جس کی تعریف انگریزی ادب کے سخت گیر نقاد ایف۔ آر۔ لیوس۔ تک نے کی ہے مگر اسلوب صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مشرقی ادبیات بالخصوص فارسی اور اردو ادب سے بھی بہت گہرا شغف رکھتے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ اپنی زبان کے ادب اور اس کے سرچشموں کے مزاج داں ہیں یہی وجہ ہے کہ مغربی ادب اور تنقید کے مطالعے کا اثر قبول کرنے میں ان کے یہاں وہ افراط و تفریط نہیں ملتی جس کی وجہ سے کلیم الدین احمد اور بعض دوسرے نقادوں کی تنقیدیں یک سرے پن کا شکار ہوگئیں۔

اسلوب صاحب نے تنقید کے مختلف مکاتیب فکر کا مطالعہ کیا ہے اور ان سے حسب توفیق فائدہ بھی اٹھایا ہے مگر ان مکاتیب فکر کے منفی اثرات سے انھوں نے بڑی حد تک اجتناب برتنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے اس متوازن تنقیدی رویے میں یقیناً ان کی افتاد طبع کو ہی زیادہ دخل ہے مگر اس میں تھوڑا بہت فیضان ان کے استاد خواجہ منظور حسین کی تربیت کا بھی ہے جو اپنے مطالعے کی گہرائی، بالغ نظری اور خوش مذاقی کے لئے مشہور ہیں۔

ہمارے یہاں مغرب کے اثر سے نفسیاتی، جمالیاتی، ہیئتی، عمرانی، تاریخی، اور تقابلی تنقید کا بھی ایک حد تک چرچا رہا۔ اس قسم کی تنقیدیں اسلوب صاحب کے نزدیک ادب کی تفہیم میں تھوڑی بہت معاون ضرور ہیں لیکن محدود اور یک طرفہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات گمراہ کن بھی ثابت ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ مقبولیت پچھلے دور میں ترقی پسند تنقید کو حاصل ہوئی۔ ترقی پسند نقادوں کو دعویٰ ہے کہ ان کی تنقید سب سے زیادہ سائنٹفک ہے۔ اسلوب صاحب نے مارکس کے ادبی تصورات اور اس کی تعبیرات سے خود بھی خاصا استفادہ کیا ہے مگر جس شکل میں یہ سماجی تنقید اردو نقادوں کے یہاں رائج ہے اس سے وہ بڑی حد تک غیر مطمئن ہیں۔ اس نوع کے نقادوں کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ یہ ادب کو محض تاریخی دستاویز سمجھ کر پڑھتے ہیں اور ہر ادیب کی تخلیقات کو اس زمانے کے سماجی و سیاسی حالات کے چوکھٹے میں میکانکی طور پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ادب کی اپنی فنی و جمالیاتی اقدار اور اس کے معیار کو نظر انداز کرنے اور ادیب کے انفرادی نفس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کے سبب ان کی تنقیدیں محض یک طرفہ اور اوپری قسم کی تشریح بن کر رہ جاتی ہیں ایسی تحریروں کو ادبی تنقید کے بجائے سماجی تفسیر یا تشریح کہنا ہی زیادہ مناسب ہوگا یہ تنقید اُنھی کے حق میں ادیبوں اور شاعروں کے سلسلے میں تو نسبتاً بے ضرر ہوتی ہے کیونکہ یہ نقاد ان کے ادبی مرتبے اور حیثیت کو ایک طور پر تسلیم کرکے ان کی تخلیقات کو سماجی و سیاسی حالات سے مربوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہم عصر ادب کے سلسلے میں یہ اکثر اوقات گمراہ کن ہوتی ہے کیونکہ ادبی اقدار و معیار کی صحیح پرکھ اور پہچان نہ ہونے کی وجہ سے یہ نقاد ادیب اور غیر ادیب

مرزا سعید الظفر چغتائی

غزل

یادوں کے ستارے ڈوب چکے روشن تھا ابھی تک داغ جگر
یہ چاند بھی یارب ڈوب چلا، ہوگی کہ نہ ہوگی آج سحر؟

جس کی خاطر تنکے چن چن کر ڈالے سب کو وہ دکھ
اے عمرِ گریزاں کے طائر! اک رات نشیمن میں تو ٹھہر!

انسان کے غم کیا کم تھے مگر امروز کے غم کل کی یادیں
افسوس کہ اس کی دنیا میں فکرِ فردا کا بھی ہے گزر!

غم میرے نہ غم تیرے لئے افراد نہیں، اقوام حزیں
اے اپنے غم کے متوالے، انسان کے غم پر ڈال نظر

شاعر اور مشاعر سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتے ہیں اور اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ ہر درجے کے ادیب و شاعر کا سماجی مطالعہ ایک ہی انداز سے کرتے ہیں۔ اس قسم کی سکہ بند سماجی تنقید نے ہمارے ادب میں نااہلوں اور ادنیٰ درجے کے ہنگامی اور صحافتی ادیبوں کو جو اہمیت دی اور اس کے نتیجے میں جس نوع کے سطحی ادب کو فروغ ہوا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اسلوب صاحب اس نوع کی تنقید کے متعلق لکھتے ہیں۔

"جو لوگ جھوٹی ترقی پسندی کے مدعی ہیں اور غیر منضم شدہ خیالات کا پرچار کرنے میں ضد، تعصب اور کوتاہ بینی کو جائز سمجھتے ہیں وہ نادانستہ طور پر تنقید کی دنیا میں بھی اسی مطلقیت اور ادعائیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں جسے مارکس نے مذہب، اخلاق اور فلسفے کی دنیا میں بنیادی طور پر ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس ترقی پسندی کی تہہ میں دو مفروضے کارفرما ہیں۔ اول یہ کہ ادب اور آرٹ کی پرکھ کے لئے ایسے قواعد و ضوابط اور اٹل اصول موجود ہیں جن کی مدد سے کسی ادبی کارنامے پر آخری اور قطعی حکم لگایا جا سکتا ہے دوسرے یہ کہ ترقی پسند نقاد ان اصولوں کو فنی کارنامے پر منطبق کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے یہ ایک کھلی ہوئی غلطی ہے جس کا ارتکاب ہم تواتر کے ساتھ کر رہے ہیں۔ علمی تلاش و تحقیق کا عمل ہماری قوت ممیزہ کو تیز ضرور کر دیتا ہے مگر ہمیں وہ سرخوشی نہیں دے سکتا جو وجدانی شاعرانہ تجربہ کا نچوڑ ہے۔ خارجی حالات کا مطالعہ ناگزیر ہے مگر یہ کوئی ایسا نسخہ نہیں جس کے استعمال سے فوراً کوئی نتیجہ برآمد ہو جائے علمی تفتیش کے طریقے کو بارآور بنانے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس کا اطلاق فنکار کے ادراک پر اور نقاد کے ادراک کے وسیلے سے کیا جائے"

(ص ۲۸)

اسی سلسلے میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

جب ہم ادبی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک ہی قسم کے خارجی موثرات کی پیداوار ہونے کے باوجود کیٹس، شیلے اور بائرن کی شخصیتیں اتنی مختلف متنوع اور متضاد کیوں تھیں۔ غالب، مومن اور ذوق کی شاعری کا لہجہ معاصرین ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے اتنا الگ اور ممتاز کیوں تھا؟ حسرت، فانی، اصغر اور جگر کی غزل گوئی کا رنگ ایک ہی عہد کی نمائندگی کرتے ہوئے بھی اپنی اپنی جگہ اتنا منفرد کیوں ہے؟ یہ سب مظاہر اس امر کی دلیل ہیں کہ ہم ادبی تنقید کے لئے کوئی سیدھا اور براہ راست قاعدہ مقرر نہیں کر سکتے جس کی روشنی میں ہم ہر شاعر اور ادیب پر اس کے مزاج کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں کو سمجھے بغیر کوئی آخری حکم لگا سکیں۔ ادب اور تنقید کی تعبیر و تخلیق میں شخصی عناصر کی کارفرمائی کو سماجی قوتوں سے زیادہ دخل ہوتا ہے اسی لئے شاید کالریج نے کہا تھا کہ ہر ادیب کی جمالیات ایک مخصوص وضع کی ہوتی ہے:"

(ص ۲۸-۲۹)

اسلوب صاحب کے تنقیدی نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے یہ اقتباس بھی قابل غور ہے۔

"ہم کسی فنی کارنامے کی نوع بہ نوع کیفیتوں سے اس وقت تک پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتے جب تک ہم اس کی تخلیق کے مادی اور خارجی اسباب کو سمجھنے کے ساتھ ہی فنکار کے شعور میں داخل ہو کر اس کے ایک ایک راز کو آشکار کرنے کی کوشش نہ کریں اس لیے غالباً یہ کہنا قرین قیاس ہوگا کہ تخلیق اور طبعزاد تنقید اپنے آخری تجزیے میں موضوعی (SUBJECTIVE) ہوتی ہے افلاطون نے غالباً طنز اور تحقیر کے طور پر کہا تھا کہ شاعر دیوانگی کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ اگر تخلیقی قوت کو ہم ایک طرح کے جنون کا مرادف قرار دیں تو یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ کامیاب اور معیاری نقاد کو اپنی تمام فرزانگی کے باوجود اس ازلی اور عنصری دیوانگی میں تھوڑا بہت حصہ ضرور بٹانا چاہئے تاکہ وہ ادب کا صحیح نبض شناس بن سکے اور تمدنی علوم کا ماہر ہونے اور ادبی تنقید میں ان کے نتائج سے فائدہ اٹھانے کے باوجود خالص شخصی اور ایک حد تک مبہم اور پراسرار اور ناقابل فہم عناصر کی موجودگی اور ان کے اثرات کو تسلیم کرنا چاہئے۔"

(ص ۲۹)

اسلوب صاحب کے تنقیدی مضامین میں جگہ جگہ ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترقی پسند تنقید کے اثر سے جس قسم کے ہنگامی اور صحافتی ادب کو ہمارے یہاں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اس کے خطرات کا انہیں پورا اندازہ ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ ادب کا مقصد عمل کی طرف ترغیب دلانا یا اس پر اکسانا ہے۔ یہ قطعی صحیح نہیں۔ افادیت کا یہ مفہوم ادب کو صحافت کے قریب لے آتا ہے اور اس طرح ادب سیاسی اور مذہبی حلقوں اور گروہوں کے ہاتھ میں ایک موثر آلۂ کار بن جاتا ہے مگر افادیت کا ایک وسیع تر مفہوم بھی ہو سکتا ہے یعنی غیر محسوس طور پر ہمارے ادراک کی تربیت اور نقطۂ نظر میں تازگی، عمومیت اور لچک پیدا کرنا

جس کے نتیجے میں ہم زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور اسے اپنے دائرۂ عمل میں رہ کر بدلنے کے بھی۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ ایسی نظمیں، ناول اور ڈرامے بھی موجود ہیں جن میں براہ راست عمل کے لئے آمادہ کیا گیا ہو یا مقبول اور ہنگامی موضوعات کو کام میں لاکر خیالات کو ایک خاص سمت میں موڑنے کا جتن کیا گیا ہو لیکن ظاہر ہے کہ ایسا ادب دیرپا تاثیر اور دلکشی سے محروم ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے ادیبوں اور شاعروں کو لیجے مثلاً ہومر، سافیکلیس، شیکسپیر، کالیداس، گوئٹے، غالب اور اقبال ان سب کے یہاں موضوعات، ادبی روایات اور زبان و بیان کے سانچے کتنے مختلف ہیں اور کتنے متضاد ذہنی اور روحانی محرکات اور سرچشموں سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ اگر ان کی تاثیر کا راز صرف عمل پر اکسانا یا کسی مخصوص اور محدود نظریہ یا پروگرام کے نفاذ میں ہوتا تو آج ان کے ادبی کارنامے قطعی بے جان ہوتے لیکن دراصل ان کی بقا کا راز مختلف ذہنی اور جذباتی ردعمل اور اندازہائے فکر کے استوار کرنے میں ہے جو وقت اور مقام کی قید سے آزاد ہیں۔ اس بات کو ایک اور طرح بھی کہا جا سکتا ہے یعنی یہ کہ ہر فنی کارنامہ تاریخی اور عصری بھی ہوتا ہے اور آفاقی بھی۔ تاریخی اس لیے کہ وہ حال کی حقیقتوں پر تعمیر کیا جاتا ہے اور آفاقی اس لئے کہ وہ ادراک کی جس طور پر تربیت اور توسیع کرتا ہے وہ لازمی طور پر تاریخی تقاضوں کا پابند نہیں ہوتا۔ تاریخ کا وہ خاص نقطہ جس پر اس کی تعمیر عمل میں لائی گئی ہے اس کے تمام امکانات اور مفاہیم کو بحد کمال استعمال کر کے ختم نہیں کر دیتا۔ اسی لیے عالمی ادب کے بیشتر حصے زندہ رہتے ہیں۔"

(ص ۶۸ - ۶۹)

سکہ بند ترقی پسند نقاد عام طور پر ایسی تحریروں کو زیادہ سراہتے ہیں جن میں صحافتی انداز کی وضاحت و صراحت یا ایک طرح کا کھلا ڈھلا پن ہو اور اس کے مقابلے میں رمزیت و ایمائیت کو شبہے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جوش، مجاز، سردار جعفری، کیفی اعظمی اور کرشن چندر کی تعریف و توصیف میں نہ صرف یہ کہ یہ لوگ بے حد مبالغے سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کے صریحی فنی اسقام، جذباتیت و اعصاب زدگی اور سطحیت سے چشم پوشی برتتے ہیں، دوسری طرف فراق، فیض اور بیدی جیسے فنکاروں کے اعتراف میں بے حد بخل سے کام لیا جاتا رہا ہے کیونکہ موخر الذکر ادیب رمز و ایمائی زبان استعمال کرتے ہیں اور جذباتیت اور اعصاب زدگی کے بجائے ان کے یہاں گہرائی، پیچیدگی اور ایمائیت کے عناصر زیادہ ہیں۔ فیض اور فراق کو رجعت پسند ثابت کرنے میں سردار جعفری نے ایک زمانے میں پورا زور قلم صرف کر دیا تھا۔ فیض کی نظم "صبح آزادی" پر جعفری کی تنقید اور فراق پر ان کا مضمون "یہ ترقی پسندی نہیں ہے" ادبی حلقوں میں زیر بحث رہ چکا ہے۔ اسلوب صاحب اس تنقیدی رویے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"سردار جعفری نے اپنی کتاب 'ترقی پسند ادب' میں کہا ہے کہ جو لوگ بات کو ڈھکے چھپے اشاروں میں کہنے پر زور دیتے ہیں وہ پایان کار ہیئت پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ہیئت پرستی رجعت پرستی کے مترادف ہے۔ یہاں ایک مغالطۂ ذہنی پوشیدہ ہے۔ یہ کہنا کہ غزل ہماری موجودہ پیچیدہ اور متنوع تہذیب کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہے بڑی تنگ نظری ہے اور فن کی دنیا میں تجربے اور ارتقا کی اہمیت کے انکار کی وجہ سے ادبی جمود کی طرف لے جاتی ہے لیکن دوسری طرف یہ دعویٰ بھی کہ رمز وکنایے کے ذریعے حقیقت کی ترجمانی کرنا رجعت پرستی ہے خود فن کے لوازم سے غفلت پر دلالت کرتا ہے۔"

(ص ۲۰۷)

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا اسلوب صاحب کے تنقیدی مضامین سے ان کی غیر معمولی فنی بصیرت کے ساتھ ساتھ ان کے ذہنی توازن اور ادبی دیانت داری کا پتہ چلتا ہے فراق کے کلام کا مطالعہ انھوں نے بہت تفصیل سے کیا ہے اور ان کے فن کے تمام گوشوں سے نقاب اٹھانے کی کوشش کی ہے مگر ان کے معائب اور اسقام سے چشم پوشی نہیں کی ہے۔ اسی طرح بیدی پر اسلوب صاحب کا مضمون ایک مثالی تنقیدی مضمون کہا جا سکتا ہے۔ بیدی کا مطالعہ اب تک کسی نقاد نے اس گہرائی کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ ترقی پسند نقادوں میں سے کسی نے ان پر کوئی مضمون لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جبکہ کرشن چندر کی مدح سرائی میں یہ لوگ کبھی نہیں تھکتے۔ اسلوب صاحب نے ایک جگہ بیدی اور کرشن چندر کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

"بیدی کے یہاں تخیل کی کمی نہیں ہے مگر ان کے یہاں تخیل کا کیمیا دی عمل رنگینی اور ظاہری چمک دمک کی صورت میں نمایاں نہیں ہوتا بلکہ واقعات کی ایک نئی تنظیم اور صورت گری میں۔ وہ اپنے کرداروں کے تجزیے میں اس قدر بے تعلق رہتے ہیں کہ اس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں ان کے یہاں سستی جذباتیت کا فقدان ہے اور اس اعتبار سے وہ کرشن چندر کی ضد ہیں!"

(ص ۳۱۴)

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مراسلات

غالب صدی

غالب صدی کے سلسلے میں جو تقریبات منعقد ہوتی ہیں ان کی رپورٹیں "غالب صدی" کے بجائے "صد سالہ جشن غالب" "غالب کی صد سالہ یاد" اور "غالب کی صد سالہ برسی" جیسے مختلف عنوانوں سے پیش کی جا رہی ہیں حالانکہ جو بات "غالب صدی" میں ہے وہ دوسرے ناموں میں نہیں ہے لفظ "غالب صدی" بڑے وسیع مفاہیم رکھتا ہے اور یہی لفظ سب سے زیادہ مناسب بھی ہے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ صرف اس سلسلے میں منعقد ہونے والے تمام پروگراموں کی رپورٹیں "غالب صدی" کے عنوان سے پیش کی جاتی رہیں بلکہ ان پروگراموں سے متعلقہ کمیٹی کا نام بھی "غالب صدی پروگرام کمیٹی" رکھا جائے۔ اس طرح لفظ "غالب صدی" جو بے حد اہم ہے یادگار بن جائے گا اور تاریخی اہمیت حاصل کرے گا۔

(بدیع الزماں خاور)

جامعہ اردو کے امتحانات کے نتائج کے بارے میں

گذشتہ کئی برسوں سے جامعہ اردو کے امتحانات کا ایک سینٹر گوالیار میں بھی قائم کیا گیا ہے جس میں ہر سال ۲۵-۳۰ طلبہ شرکت کرتے ہیں۔ تمام طلبہ و ان کے والدین کی یہ شکایت ہے کہ جب ان امتحانات کا نتیجہ نکلتا ہے۔ تو کافی دقت بعد معلوم ہوتا ہے۔ لہذا کوئی ایسا پرچہ جو گوالیار اور دیگر مقامات پر پہنچتا ہے اس میں یہ نتیجہ شائع کیا جائے جس سے لوگوں کی یہ شکایت دور ہو سکے۔

(رؤف جاوید گوالیار)

مناظر عاشق ہرگانوی

اخبار و رسائل میں غالب

(گذشتہ سے پیوستہ)

۲۰- غالب کی یاد میں۔ اداریہ۔ ۱۵ر فروری ۶۳ء

۲۱- مرزا علی ہوشیار (بیمار) تلمیذ غالب۔ سید فضل المتین ۲۲ر فروری ۶۳ء

۲۲- دہلی میں یوم غالب　　۲۲ر فروری ۶۳ء

۲۳- بنارس میں یوم غالب　　۲۲ر فروری ۶۳ء

۲۴- مرزا قتیل کی طرف ایک نظر (مراسلہ از سید مسعود حسن رضوی ادیب) مرزا قتیل اور غالب کی چشمک　　۱۵ر فروری ۶۳ء

۲۵- یوم غالب (سکریٹری) انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کے زیر اہتمام یکم رمارچ ۶۳ء

۲۶- سیر بین۔ آل احمد سرور۔ غالب کے اشعار سے مثال یکم اپریل ۶۳ء

۲۷- غالب کی ایک اصلی تحریر۔ نصیر الدین ہاشمی۔ منشی حبیب اللہ ذکا کے نام غالب کا خود لکھی خط جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے کتب خانہ کے ایک فارسی مخطوطہ "غاش و خاش" میں درج ہے۔ ۲۲ر اپریل ۶۳ء

۲۸- مولانا قمر الدین احمد قمر بدایونی۔ دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی۔ مضمون میں غالب کے ایک شاگرد عزیز الدین عزیز وصادق کا بھی ذکر ہے۔ ۲۲ر اپریل ۶۳ء

۲۹- سیر بین۔ آل احمد سرور۔ یکم ر اپریل ۶۳ء کے شمارے میں غالب کے اشعار سے جو مثال پیش کی گئی تھی اس میں ایک مصرعہ ثانی کا درج ہو گیا تھا۔ اس کی نشاندہی۔ یکم رمئی ۶۳ء

۳۰- یہ اشعار کس کے ہیں؟ (مراسلہ از مدثر حسین رضوی) آخری مصرعہ ہے
"غالب تمہاری عقل کے قربان جائیے"۔ یکم رمئی ۶۳ء

۳۱- جہان غالب۔ غالب پر لکھے گئے نادم سیتاپوری کے تحقیقی مضامین کے مجموعہ کی کراچی میں اشاعت کا اعلان۔ یکم رمئی ۶۳ء

۳۲- مکتوب تاشقند۔ ڈاکٹر قمر رئیس۔ اس مکتوب میں اس کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ رفیق محمد جانف جن بیرزی ازبکی زبان میں غالب کے کلام کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ ۲۲ر مئی ۶۳ء

۳۳- فرزند علی اختر عظیم آبادی، تلمیذ غالب۔ محمد شبیر الحق دسنوی ۲۲ر مئی ۶۳ء

۳۴- سیر بین۔ آل احمد سرور۔ آموں کی فصل شروع ہونے پر غالب کی یاد اور غالب کا ذکر۔ ۲۲ر جون ۶۳ء

۳۵- کچھ ذوق کے متعلق۔ محمد انصار اللہ نظر۔ نیا دور میں شائع شدہ ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کے ایک مضمون "اردو کا ایک نادر الوداعی سپاسنامہ" پر بحث ہے۔ اس سپاسنامہ کی بنیاد غالب پر ہے۔ ۱۵ر جولائی ۶۳ء

۳۶- "شام غالب" ایک نئے انداز میں۔ بنارس۔ ۲۲ر جولائی ۶۳ء

۳۷- آگرہ میں غالب کی یادگاریں محفوظ ہیں۔ ۲۲ر جولائی ۶۳ء

۳۸- شاگرد غالب۔ طالب اکبرآبادی (مراسلہ از سید فضل المتین) ۱۵ر اکتوبر ۶۳ء

(باقی کالم ۱ پر دیکھیے)

باقی کالم ۲ سے آگے۔

۳۹- راجپوتانہ گزٹ (مراسلہ از شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی۔ مرزا دلی تلمیذ غالب پر تحقیق۔ ۲۲ر اکتوبر ۶۳ء

۴۰- روس میں ادبی سیاحت۔ قمر رئیس۔ آل احمد سرور کے نام خط میں یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ تاجکستان میں پولاتوف صاحب نے غالب کے خطوط پر اور غفاروو صاحب نے غالب کی فارسی شاعری پر کینڈیڈیٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ ۱۵ر نومبر ۶۳ء

۴۱- "نگار کا نیاز نمبر" (تبصرہ از ملک اسماعیل حسن)۔ اس تبصرہ میں غالب کا ذکر بھی ہے۔ یکم ر دسمبر ۶۳ء

۴۲- المنطق فی الشعر یا غالب کی منطق۔ مصطفےٰ علی گڑھ ۲۲ر دسمبر ۶۳ء

۴۳- غالب اور تلامذۂ غالب: تعقل، تعشق اور تصوف۔ مصطفےٰ علی گڑھ۔ ۲۲ر جنوری ۶۴ء

۴۴- غالب پرستوں کو یاد دہانی۔ اداریہ۔ ۱۵ر فروری ۶۴ء

(باقی آئندہ)

انجمن ترقی اردو گجرات کا غالب صدی پروگرام

احمد آباد (گجرات) اور یہاں کے قصبات وغیرہ میں غالب کی یادگار اور اردو گھر کے متعلق انجمن ترقی اردو کے فیصلہ کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ صوبائی انجمن ترقی اردو نے ہر دو کاموں کے لئے ایک عظیم الشان پروگرام تیار کیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

(۱) مجلس عاملہ ریاستی شاخ نے طے کیا ہے کہ مقامی ضرورت اور غیر زبان داں لوگوں کی تشنگی کے لئے ایک مجلہ "یادگار غالب" "نمبر بزبان گجراتی" شائع کیا جائے اور اس میں تمام و کمال مضامین ہندی، گجراتی، سندھی وغیرہ کے ادیبوں کے ہوں تاکہ غالب کی شخصیت کے متعلق دوسری زبانوں کے ادیبوں کا انداز فکر کیا ہے سب کو معلوم ہو سکے ایک ایڈیٹوریل بورڈ مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ان مضامین کی تدوین و اشاعت کا ذمہ دار ہوگا۔ (۱) ڈاکٹر سی۔ آر۔ نائک (۲) پروفیسر احمد حسین قریشی (۳) پروفیسر نیاز محمد شیخ (۴) پروفیسر وارث حسین علوی (۵) پروفیسر محی الدین بمبئی والا اور رسول اعجاز

(۲) "اردو گھر فنڈ" کی فراہمی کے سلسلے میں ریاستی شاخ کے مختلف وفود مختلف علاقوں کا دورہ کریں گے ان وفدوں میں شہر کے کارکردہ اور انجمن کے معتمد علیہ لوگوں کی ایک کمیٹی مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ہوگی۔ (۱) عبدالرحمٰن تبسم مبارکپوری۔ نیاز احمد شیخ۔ احمد حسین قریشی، ڈاکٹر فاروقی، وارث علوی، عبدالستار قریشی، بیرسٹر ایٹ لا، محمد اسمٰعیل خالدی، فخر الدین ندوی اور رحمت احمد ہوں گے۔

(۳) علاوہ ازیں فارسی و اردو کے مستحق اور اہل طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ گجرات سے متعلقہ یونیورسٹیوں اور بورڈ میں جو طلبہ ایس۔ ایس۔ سی (میٹرک) بی۔ اے اور ایم۔ اے میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کریں گے ان کو انعامی تمغات دئیے جائیں گے۔ پہلے ہر دو کام رمضان المبارک کے ختم ہوتے ہی شروع کر دئیے جائیں گے اور وفود انجمن برائے فراہمی چندہ اپنے اپنے مستقر روانہ ہو جائیں گے۔

(سید جمال الدین قادری معتمد اعزازی ریاستی شاخ گجرات۔ احمد آباد)

انجمن ترقی اردو راجستھان کا غالب صدی پروگرام

جے پور۔ غالب کی صد سالہ تقریب کے سلسلے میں انجمن ہٰذا نظم و نثر پر مشتمل مضمون غالب نامی ایک صحیفہ شائع کرے گی۔ جس میں راجستھان کے ہر اس ادیب و شاعر کی تخلیق شامل ہوگی جو اپنا مقالہ یا کلام مندرجہ بالا پتہ پر ایسے وقت سے روانہ کر دے کہ ۱۳ر دسمبر ۶۸ء تک جنرل سکریٹری کو وصول ہو جائے۔ مقالہ کے لئے کوئی عنوان نہیں ہے۔ ہر ادیب کوئی بھی عنوان جو غالب سے متعلق ہو تجویز کر سکتا ہے۔ البتہ وہ فل سکیپ سائز کی نثو سطر سے زائد نہ ہو اور ورق کے ایک صفحہ پر صاف صاف تحریر ہو۔ صفحات چاہے جتنے ہوں مگر سطریں نثو سے زیادہ نہ ہوں شعرا کے لئے غالب کے دس مصرعے بطور طرح ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی ایک مصرع پر طبع آزمائی فرما کر اپنے پانچ بہترین شعر کی غزل ۱۳ر تاریخ تک اسی پتہ پر بھیج دیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ غالب کے متعلق صرف ایک رباعی یا دو شعری قطعہ یا کم از کم صرف ایک ہی شعر کسی بھی زمین میں ضرور بھیجیں جو ان کی غزل سے پہلے درج ہوگا جس جس طرح میں غزلیں وصول ہوں گی اس زمین کی غالب کی غزلیں بھی شامل اشاعت ہوں گی۔ ادبا و شعرا صاحبان اپنا مختصر تعارف بھی ساتھ ہی عطا فرمائیں جو شائع کیا جائے گا۔ یہ دعوت نامہ راجستھان کے ہر ادیب و شاعر کے نام ہے۔ جہاں تک ہوگا بہ کوشش تمام نام بنام ارسال ہوگا پھر بھی ہر ادیب و شاعر سے درخواست ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں تک یہ درخواست انجمن ہٰذا کی جانب سے پہنچانے کی تکلیف فرمائیں نیز اگر کسی صاحب کی خدمت میں یہ عریضہ نہ پہنچ سکے اور کسی اور ذریعہ سے ان کے علم میں آجائے تو از راہ ادب نوازی اپنے کو مخاطب و مدعو سمجھتے ہوئے درخواست ہٰذا قبول فرمائیں۔

مصرعہائے طرح

(۱) جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
(۲) یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
(۳) نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا (۴) کوئی امید بر نہیں آتی
(۵) کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور
(۶) ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
(۷) ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
(۸) نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
(۹) تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
(۱۰) خوش ہوں کہ مری بات سمجھنی محال ہے

(جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

سیفیہ کالج میں غالب صد سالہ برسی تقریبات کا دوسرا ادبی پروگرام

بھوپال: ڈاکٹر قمر رئیس ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کی بھوپال میں آمد ۲۵ر نومبر ۶۸ء کو اردو سے متعلق کے زیر اہتمام ایک ادبی پروگرام منعقد کیا گیا جس میں ڈاکٹر قمر رئیس نے غالب صدی سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ جناب عبدالقوی دسنوی کے مختصر تعارف کے بعد ڈاکٹر قمر رئیس نے تقریر کی۔ انھوں نے ہندوستان میں غالب صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے تعاون سے منائے جانے والے پروگراموں کا سرسری جائزہ لیا، مختلف اداروں اور انفرادی کوششوں کا ذکر کیا۔ غالب پر لکھے جانے والے مضامین کے سلسلے میں تکرار کی جانب اشارہ کیا اور پروگراموں کے سطحی اور نمائشی ہونے سے زیادہ ادبی اور علمی ہونے پر زور دیا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ غالب کی صد سالہ برسی در اصل ایک تلافی ہے ان تمام گناہوں کی جو گذشتہ اکیس سال تک غالب کی زبان سے لاپرواہی کی صورت میں سرزد ہوئے ہیں۔ لیکن اس برسی کے بعد اردو زبان کے متعلق پھر وہی رویہ اختیار کیا جائے گا جس سے اردو زبان دوچار رہی ہے غالب کی بہترین خدمت یہ ہو سکتی ہے کہ غالب کے نام پر ہی حکومت سے اردو زبان کے لئے کچھ رعائتیں اور حقوق حاصل کئے جائیں ورنہ اگر غالب کی زبان زندہ نہ رہ سکی تو غالب کس طرح زندہ رہے گا۔ ڈاکٹر قمر رئیس کی تقریر کے اختتام پر جناب مطلوب حسین صدر مجلس اردو نے مہمان خصوصی کا شکریہ ادا کیا اور جناب متین الرحمن نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا۔ (حیدر عباس رضوی)

پٹنہ یونی ورسٹی میں جشن غالب کا اہتمام

پٹنہ: شعبۂ اردو پٹنہ یونی ورسٹی نے بڑے پیمانے پر جشن غالب کے سلسلہ کی صد سالہ تقریبات منانے کا فیصلہ کیا ہے گذشتہ ہفتہ ابتدائی تیاریوں کے سلسلہ میں ایک غالب صد سالہ جشن کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ جس کے صدر ڈاکٹر اختر اورینوی صاحب نائب صدر ڈاکٹر صدرالدین فضا صاحب سکریٹری قمر اعظم ہاشمی اور اراکین ڈاکٹر ممتاز احمد و ڈاکٹر یوسف خورشیدی صاحبان ہیں جشن غالب کا پہلا اجلاس ۱۳ر نومبر ۶۸ء کو زیر صدارت پروفیسر سید حسن صدر شعبۂ فارسی یونی ورسٹی مذکور منعقد ہوا جس کا افتتاح ڈاکٹر نرمدیشور پرشاد صدر شعبۂ عمرانیات نے کیا۔ ڈاکٹر اختر اورینوی صدر شعبۂ اردو نے اس اجلاس میں جشن غالب کے پروگرام کے ابتدائی خاکے کی وضاحت فرمائی۔ جشن غالب کے ضمن میں مختلف جلسے ہر پندرہویں روز فروری کے اوائل تک ہوتے رہیں گے۔ ان جلسوں میں مقالہ مذاکرہ مباحثہ ایکچر، ڈراما اور غالب کی غزلیں پیش کی جاتی رہیں گی جن کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ فروری میں ایک بڑے مشاعرہ اور سیمنار کا انعقاد پروگرام کے مطابق ہوگا غالب صد سالہ جشن کمیٹی کی طرف سے غالب کا منتخب کلام میتھلی زبان میں شائع کیا جائے گا اور اس کے علاوہ فن غالب پر ایک مبسوط یادگاری کتاب بھی شائع ہوگی اس کے لئے ضروری اور ابتدائی اقدامات شروع کر دئے گئے ہیں۔ یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات کے درمیان مقالہ نگاری اور نظم نگاری کے غالب انعامی مقابلہ کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ کمیٹی نے یونیورسٹی کے مختلف کالجوں کے طلبہ وطالبات کے مابین غالب کے شعروں میں بیت بازی کے مقابلے کا بھی انتظام کر رکھا ہے۔ یونی ورسٹی میں مرزا غالب قلم کی خصوصی نمائش بھی ہوگی۔ (سکریٹری)

آدرش ڈگری کالج میں جشن غالب کے لیے سوسائٹی کا قیام

بھوپال: آدرش ڈگری کالج کے اساتذہ اور طلبہ کی جانب سے ایک نشست کا انعقاد کیا گیا۔ نشست کی صدارت معاشیات کے پروفیسر جناب علی عباس امید صاحب نے کی۔ اس نشست میں غالب کی صد سالہ یادگار منانے کے لئے کالج میں ایک سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس سلسلے میں کالج میں ہونے والے پروگراموں پر غور کیا گیا۔ (انیس احمد)

سنبھل میں غالب کی یاد میں مشاعرہ

سنبھل: اردو ایسوسی ایشن ہند انٹر کالج کے زیر اہتمام جشن صد سالہ غالب کے سلسلہ میں ایک آل انڈیا مشاعرہ کالج کے میدان میں منعقد ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت ضلع مجسٹریٹ صاحب نے فرمائی۔ مشاعرہ میں مقامی ممتاز شعرا کے علاوہ بیرونی شعرا نے شرکت فرمائی۔

(وقار ردمانی)

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی ریسرچ ایسوسی ایشن کا جلسہ

علی گڑھ۔ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی ریسرچ ایسوسی ایشن کا ایک جلسہ ۲۰ ردسمبر کو فیکلٹی آف آرٹس لاؤنج میں ساڑھے چار بجے شام کو منعقد ہوا جلسہ کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور نے فرمائی الٰہ آباد یونی ورسٹی کے صدر شعبۂ اردو پروفیسر احتشام حسین مہمان خصوصی تھے۔ جلسہ میں ذکاءالدین شایاں ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو نے اپنا مقالہ "کلاسیکی اردو غزل میں ہندوستانی معاشرت کی زندہ علامات" پڑھا۔

شایاں صاحب نے اس مفروضہ کو غلط بتاتے ہوئے کہ کلاسیکی اردو غزل میں فارسی شاعری کی فرسودہ روایات صرف گل و بلبل اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں کا ذکر ہے اپنے مقالہ میں کہا کہ کلاسیکی غزل کے بغور مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کے علامتی دائرے میں اس عہد کی سماجی زندگی کا مکمل عکس ہے۔ صنعت ایہام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے بتایا کہ ایہام نے لفظ کی لغویت اور نثریت کو ختم کر کے اسے علامتی پیکر بنا دیا۔ اور اسے اس قابل کر دیا کہ وہ معانی کی بہت سی تہوں کا بوجھ اٹھا سکے ضمنی طور پر جدید غزل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ نئی غزل میں سامنے کی چلتی پھرتی زندگی اور اشیاء کو نظم کرنے کا جو رواج عام ہو رہا ہے یہ ماضی کی کلاسیکی غزل ہی کی اگلی کڑی ہے جو درمیان سے ٹوٹ گئی تھی اب پھر جوڑی جا رہی ہے۔

مقالہ کے اختتام پر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، جناب مسعود علی ذوقی، پروفیسر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر نعیم احمد نے مقالہ کے مختلف پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا آخر میں پروفیسر احتشام حسین نے کہا کہ علامت کا مسئلہ ہماری شاعری میں خاصا الجھا ہوا ہے کلاسیکی غزل میں تشبیہات اور استعارات کو بھی ہم علامت کی اولین شکل قرار دے سکتے ہیں کیونکہ علامت دراصل استعارے کی ایک الجھی ہوئی اور مبہم شکل ہے انھوں نے کہا کہ آجکل جو علامت نگاری ہے اس میں لفظ کے معنی دوسرے راستے سے متعین کر رہے ہیں قدما نے ایسا نہیں کیا تھا۔

باقی صفحہ ۵ سے آگے

میدی پر لکھتے ہوئے اسلوب صاحب نے ان کی یکطرفہ تحسین نہیں کی ہے بلکہ ان کی بعض خامیوں کی طرف واضح اشارے کئے ہیں خاص طور پر "کوکھ جلی" کی بعض کہانیوں کو فنی اعتبار سے کمزور بتایا ہے اور ان کی زبان کی خامیوں پر بھی کھل کر تنقید کی ہے۔

مجاز کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اسلوب صاحب نے ترقی پسند نقادوں کے برخلاف مجاز کے کلام کی سطحیت اور بعض دوسرے عیوب کی طرف صاف صاف اشارے کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "مجاز کی بیشتر انقلابی نظمیں اعلیٰ اور کامیاب شاعری کے معیار پر پوری نہیں اترتیں کیونکہ ان نظموں میں وہ شاعر کے منصب کا احترام کم کرتے ہیں انقلاب کا ڈھنڈورا زیادہ پیٹتے ہیں .... مجاز کا انقلاب کا تصور سراسر جذباتی ہے جو صرف ایک بے معنی تخریب پر منتج ہوتا ہے۔
>
> ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو شاعری کو انقلاب کا جو تصور جوش نے دیا تھا اسے مجاز نے بغیر کسی تنقیدی جائزے کے قبول کر لیا ہے۔"
>
> (ص ۲۱۳ - ۲۱۴)

ابوالکلام آزاد، رشید احمد صدیقی اور شاد عظیم آبادی کے تنقیدی مطالعوں میں بھی یہی بات ملتی ہے۔ اسلوب صاحب کے تنقیدی مضامین کی ایک اہم خصوصیت ان کا سادہ اور سلجھا ہوا انداز بیان ہے۔ وہ اپنی نثر میں غیر ضروری آرائش اور انشا پردازانہ پینتروں سے کام نہیں لیتے۔ ہمارے یہاں عام طور پر تنقید میں بھی لوگ چٹخارے کے متلاشی رہتے ہیں اور شاعرانہ فقروں پر سر دھننے کے ہم اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اس طرح کے مضامین میں ہمیں ایک حد تک خشکی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اسلوب صاحب کے بعض ایسے مضامین جو اصولی اور نظریاتی ہیں کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ بوجھل ہو گئے ہیں مگر جو مضامین عملی تنقید کے زمرے میں آتے ہیں وہاں ان کی نثر رواں اور صاف شفاف ہے۔

"ادب اور تنقید" ہمارے تنقیدی ادب میں ایک معیاری اور بلند پایہ کتاب کا اضافہ ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اسلوب صاحب جیسے سلجھے ہوئے نقادوں کی بدولت ہمارے ادب میں خوش مذاقی منصفانہ انداز نظر اور تخلیقی معیار پر اصرار کی روایت آگے بڑھے گی۔

اردو گھر فنڈ

یکم دسمبر ۱۹۶۸ء سے ۱۵ دسمبر ۱۹۶۸ء تک

نمبر شمار	نام و مقام مستقل	رقم چندہ	ذریعۂ ترسیل	کیفیت
۱	جناب مدن جھوٹا بھائی ساکھانگڑو داپولی ضلع رتناگری	2—00	منی آرڈر	معرفت مبلغ الزماں خاور صاحب داپولی ضلع رتناگری
۲	" حسین داؤد خاں جبارک	2—00	"	
۳	" عبدالعزیز یوسف رگھانگے "	1—00	"	
۴	" ذاکر حسین عبدالغفور دھیر	1—00	"	
۵	" عبدالکریم حاجی غنی ڈورمانی "	5—00	"	
۶	" عثمان عبداللہ پانکر برگی تعلقہ "	5—00	"	
۷	" کمال الدین تاج الدین سونسیکر "	5—00	"	
۸	" داؤد خاں علی خان مروس "	5—00	"	
۹	" کمال الدین نور الدین آڈے کر "	5—00	"	
۱۰	" عبدالرحمن یعقوب بانکوٹ کر "	5—00	"	
۱۱	" عبدالستار محمد طاہر قاضی ترساکھر "	1—00	"	
۱۲	" عمر محمد مستی " "	1—00	"	
۱۳	" محمد یونس مقدم " "	1—00	"	
۱۴	" عباس محمد " "	1—00	"	
۱۵	" علی اسماعیل ناکاڑے " "	1—00	"	
۱۶	" عبداللطیف علا " "	1—00	"	
۱۷	" عبدالمجید عبداللہ بنگالی " "	1—00	"	
۱۸	" محترمہ فاطمہ حسن قاضی " "	1—00	"	
۱۹	" مریم بی علی میاں ساکھرکر " "	1—00	"	
۲۰	" جناب احمد صاحب محمد میرکر " "	1—00	"	
۲۱	" عبداللطیف عبدالقادر ملا " "	1—00	"	
۲۲	" علی احمد صاحب ملا " "	1—00	"	
۲۳	" اسماعیل حسن عمیرکر مروڈ "	1—00	"	
۲۴	" عبداللہ ابراہیم عمیرکر " "	1—00	"	
۲۵	" یوسف ابراہیم عمیرکر " "	1—00	"	
۲۶	" احمد عمر عمیرکر " "	1—00	"	
۲۷	" عبدالغفور عبداللہ عمیرکر " "	1—00	"	
۲۸	" ابراہیم عبدالغنی مروڈ " "	1—00	"	
۲۹	" مفغور شیخ آدم " " "	1—00	"	
۳۰	" حسین الدین شہاب الدین عمیرکر مروڈ "	1—00	"	
۳۱	" احمد اسماعیل عمیرکر مروڈ تعلقہ داپولی "	1—00	"	
۳۲	" داؤد شرف الدین " "	1—00	"	
۳۳	" حسین نعیم قاضی " "	1—00	"	
۳۴	" یونس محی الدین " "	1—00	"	
۳۵	" داؤد حسن " "	1—00	"	
۳۶	" سید نظیر حسین صاحب لندن	50—00	چیک	خود
۳۷	" ٹیش داس آریہ جالندھر سٹی	25—00	منی آرڈر	"
۳۸	مس نزہت فاطمہ دہلی یونیورسٹی دہلی	10—00	چیک	معرفت خواجہ احمد فاروقی صاحب دہلی
۳۹	جناب پروفیسر تخیا یونیورسٹی " "	10—00	"	
۴۰	" خواجہ احمد فاروقی " "	50—00	"	
۴۱	" مولوی عبدالغنی صاحب ڈار ایم۔ پی	100—00	چیک	معرفت جناب بریم ناتھ مست امرتسر
۴۲	محترمہ شمشاد بیگم ڈار	100—00	"	
۴۳	جناب حسام الدین شمس الدین پرکار داپولی	10—00	منی آرڈر	معرفت مبلغ الزماں خاور داپولی
۴۴	" حسن خاں احمد خاں سرگروہ داپولی	5—00	"	
۴۵	" حاجی غلام حسین با میاں دھیوڈے "	5—00	"	
۴۶	" عبدالحبیب تار محمد کھیتی "	5—00	"	
۴۷	" حسین عبدالکریم قاضی داپولی ضلع رتناگری	5—00	"	
۴۸	" حسین الدین محمود الدرے " "	5—00	"	
۴۹	جناب تاج الدین رکن الدین خطیب " "	5—00	"	معرفت مبلغ الزماں خاور صاحب داپولی ضلع رتناگری
۵۰	" انیس انیس عبداللہ " "	5—00	"	
۵۱	" محمد شفیع حسن زبیب " "	5—00	"	
۵۲	" رکن الدین عبدالغنی بانگی " "	5—00	"	
۵۳	" دادا میاں بابو میاں حمزادے نرشاہ تعلقہ داپولی	5—00	"	
۵۴	" تاج الدین بالا صاحب فقیہ داپولی ضلع رتناگری	5—00	"	
۵۵	" عبدالحمید تاج الدین منیار برگی تعلقہ داپولی	1—00	"	
۵۶	" محمود احمد جمعدار " "	1—00	"	
۵۷	" تاج الدین عثمان ڈونڈی " "	1—00	"	
۵۸	" غلام محی الدین شیخ داؤد "	1—00	"	
۵۹	" تاج الدین شہاب الدین ونشکر "	1—00	"	
۶۰	" پرنسپل اسماعیل یوسف سولکر رتناگری	1—00	"	
۶۱	" عبدالرشید محمد صاحب رکھانگے داپولی	1—00	"	
۶۲	" ابراہیم عبدالستار رکھانگے کنیل داپولی	5—00	"	
۶۳	" ڈاکٹر آدم محی الدین ناگر کر شنگمسٹ تعلقہ کھیڈ	5—00	"	
۶۴	" اسماعیل حسین ناڈکر " "	5—00	"	
۶۵	" داؤد حسن صاحب قاضی " "	5—00	"	
۶۶	" شیخ عثمان ناڈکر " "	5—00	"	
۶۷	" عبدالقادر علی کوبجالی " "	5—00	"	
۶۸	" احمد امیر صاحب ناڈکر " "	5—00	"	
۶۹	" شیخ علی غلام محی الدین ناڈکر " "	5—00	"	
۷۰	" سراج کمال الدین ونشیکر برگی ضلع رتناگری	1—00	"	
۷۱	" نثار احمد عباس حرگے " "	1—00	"	
۷۲	" رفیع الدین دادا میاں " "	1—00	"	
۷۳	" عبدالغفور عبداللہ خونداز " "	1—00	"	
۷۴	" حسن محمد صالح پرپیلکر " "	1—00	"	
۷۵	" شرف الدین مالکرنکر " "	1—00	"	
۷۶	" علی میاں عبداللہ شیر پوردھنکر "	1—00	"	
۷۷	" اسماعیل عبداللہ " "	1—00	"	
۷۸	" عباس تاج الدین جمعدار " "	1—00	"	
۷۹	" عبدالرحمن صاحب بارگیر " "	1—00	"	
۸۰	" حسن میاں شرف الدین جمعدار " "	1—00	"	
۸۱	" عبدالرحمن حسین لونگھے " "	1—00	"	
۸۲	" عباس عثمان کاکڑکر " "	1—00	"	
۸۳	" داؤد حسین پروندکر " "	1—00	"	
۸۴	" رکن الدین فقیر چیلوکر " "	1—00	"	
۸۵	" سلیم سالکی بارشٹ " "	1—00	"	
۸۶	" قمر الدین قاسم ملکار " "	1—00	"	
۸۷	" محمد ہاشم نصیر الدین بدرد داپولی ضلع رتناگری	1—00	"	
۸۸	" محترمہ فاطمہ عبداللہ سرنائک "	1—00	"	
۸۹	" جناب احمد خاں وزیر پیملکر "	1—00	"	
۹۰	" سیٹھ قاضی محمد عبدالرحیم داپولی	2—45	"	
۹۱	" ڈاکٹر محمد حسین حبادیوکر "	5—00	"	
۹۲	" پرنسپل بہاؤ الدین داؤد پرکار "	5—00	"	
۹۳	" محترمہ میمونہ خاتون زین الدین کھلاپور	5—00	"	

میزان حال 581—25

سابق میزان 8,993—50

کل میزان 9,574—75

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید حامد علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا